روزنامہ
الفضل
ربوہ
ایڈیٹر: نسیم سیفی
فون: ۴۴۹
رجسٹرڈ نمبر ایل ۵۲۵۴

جلد ۴۰ / ۹ | اتوار ۲۲ شوال ۱۴۰۹ھ ۲۸ ہجرت ۱۳۶۸ھش ۲۸ مئی ۱۹۸۹ء | نمبر ۱۱۹

جماعت احمدیہ کے رسائل و جرائد پر حکومت کی طرف سے سات مزید مقدمے

الفضل کے ۱۲ شماروں پر، انصار اللہ کے ۵
تشحیذ الاذہان کے دو، تحریک جدید کے ۴
مصباح کے ایک شمارے پر اور ایک پمفلٹ پر مقدمات

جماعت احمدیہ کے مرکز ربوہ سے شائع ہونے والے روزنامہ اخبار الفضل اور ماہانہ رسالوں کے ۲۵ مختلف شماروں کے خلاف حکومت پنجاب کی طرف سے مزید سات مقدمات دائر کئے گئے ہیں۔ ان میں سے روزنامہ الفضل کے ۱۲ شماروں زیر تاریخ ۲۱، ۲۲، ۲۷ دسمبر ۱۹۸۸ء اور ۶، ۷، ۹، ۱۴، ۱۵، ۱۹، ۲۲، ۲۵، ۲۸ جنوری ۱۹۸۹ء، ماہنامہ انصار اللہ کے شمارے جولائی، اگست، ستمبر، اکتوبر، نومبر، ۱۹۸۸ء، بچوں کے رسالے ماہنامہ تشحیذ الاذہان ماہ دسمبر ۱۹۸۸ء و جنوری ۱۹۸۹ء، ماہنامہ تحریک جدید

باقی صفحہ ۸ پر

درخواست دعا

خاکسار کی بڑی ہمشیرہ محترمہ ناظمہ بی بی صاحبہ بیوہ مکرم میاں عزیز دین صاحب سکنہ احمد نگر آج کل فضل عمر ہسپتال میں زیر علاج ہیں انہیں غذا بذریعہ نالی دی جا رہی ہے۔ عاجزانہ دعا کی درخواست ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں کاملہ عاجلہ شفاء فرمائے۔

(اللہ بخش احمدی ریٹائرڈ ریلوے گارڈ والد ڈاکٹر عطاء اللہ صاحب مہر۔ ملتان)

مکرم انعام الحق صاحب کوثر مربی سلسلہ عالیہ احمدیہ نیویارک امریکہ کی اہلیہ محترمہ قانتہ صاحبہ جو مکرم منصور محمد شرما صاحب آف کراچی کی صاحبزادی ہیں اچانک بیمار ہو گئی ہیں۔ اور ان کی ٹانگ میں بہت تکلیف ہے۔ ڈاکٹری مشورہ کے مطابق آپریشن تجویز کیا جا رہا ہے جس سے تشویش ہے احباب جماعت سے درخواست دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل خاص سے انہیں جلد مکمل شفا عطا فرمائے اور کسی بھی قسم کی پیچیدگی سے محفوظ رکھے۔

میرے بڑے بھائی مکرم حنیف الرحمان صاحب کا لندن میں گردوں کا آپریشن ہو رہا ہے۔ آپریشن کی کامیابی نیز ان کی صحت کاملہ کے لئے تمام بزرگان سلسلہ کی خدمت میں دردمندانہ دعا کی درخواست ہے۔

(صفی الرحمان خورشید سنوری مربی سلسلہ)

ارشادات عالیہ سیدنا حضرت اقدس بانی سلسلہ عالیہ احمدیہ

Digitized by Khilafat Library Rabwah

"میں نے دعا کی ہے مگر اصل بات یہ ہے کہ نری دعائیں کچھ نہیں کر سکتی ہیں۔ جب تک اللہ تعالیٰ کی مرضی اور امر نہ ہو۔ دیکھو اہل حاجت لوگوں کو کس قدر تکالیف ہوتی ہیں۔ مگر حاکم کے ذرا کہہ دینے اور توجہ کرنے سے وہ دور ہو جاتی ہیں۔ اسی طرح پر اللہ تعالیٰ کے امر سے سب کچھ ہو جاتا ہے۔ میں دعا کی قبولیت کو اس وقت محسوس کرتا ہوں جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے امر اور اذن ہو۔ وہ یہ ضروری بات ہے کہ بندہ اپنی حالت میں ایک پاک تبدیلی کرے اور اندر ہی اندر خدا تعالیٰ سے صلح کرے اور یہ معلوم کرے کہ وہ دنیا میں کس غرض کے لئے آیا ہے اور کہاں تک اس غرض کو پورا کرنے کی کوشش کی ہے جبتک انسان اللہ تعالیٰ کو سخت ناراض نہیں کرتا۔ اس وقت تک کسی تکلیف میں مبتلاء نہیں ہوتا۔ لیکن اگر انسان تبدیلی کرے تو خدا تعالیٰ پھر رجوع برحمت کرتا ہے اس وقت طبیب کو بھی سوجھ جاتی ہے۔ خدا تعالیٰ پر کوئی امر مشکل نہیں۔"

(ملفوظات جلد سوم ص ۳۱۸)

"میں نے اپنی جماعت کو یہی نصیحت کی ہے کہ وہ بے ذوقی اور بے حضوری پیدا کرنے والی نماز نہ پڑھیں بلکہ حضور قلب کی کوشش کریں۔ جس سے ان کو سرور اور ذوق حاصل ہو۔ عام طور پر یہ حالت ہو رہی ہے کہ نماز کو ایسے طور سے پڑھتے ہیں کہ جس میں حضور قلب کی کوشش نہیں کی جاتی بلکہ جلدی جلدی اس کو ختم کیا جاتا ہے اور خارج نماز میں بہت کچھ دعا کے لئے کرتے ہیں اور دیر تک دعا مانگتے رہتے ہیں حالانکہ نماز کا ..... مقصود یہی ہے کہ اس میں دعا کی جاوے ..... انسان کبھی خدا تعالیٰ کا قرب حاصل نہیں کرتا جب تک کہ (نماز قائم۔ ناقل) نہ کرے۔"

نماز ایک ایسا شربت ہے کہ جو ایک بار اُسے پی لے اسے فرصت ہی نہیں ہوتی اور وہ فارغ ہی نہیں ہو سکتا۔ ہمیشہ اس سے سرشار اور مست رہتا ہے۔ اس سے ایسی محویت ہوتی ہے کہ اگر ساری عمر میں ایک بار بھی اسے چکھتا ہے تو پھر اس کا اثر نہیں جاتا۔"

(ملفوظات جلد سوم ص ۴۴۴)

"میں نے بارہا سمجھایا ہے کہ نماز کا تعہد کرو۔ جس سے حضور اور ذوق پیدا ہو۔ فریضہ تو جماعت کے ساتھ پڑھ لیتے ہیں۔ باقی نوافل اور سنن کو جیسا چاہو طول دو اور چاہیئے کہ اس میں گریہ و بکا ہو۔ تاکہ وہ حالت پیدا ہو جاوے جو نماز کا اصل مطلب ہے۔ نماز ایسی شئے ہے کہ سیئات کو دور کر دیتی ہے ..... نماز کل بدیوں کو دور کر دیتی ہے۔ حسنات سے مراد نماز ہے۔"

"دیکھو ایک مریض جو طبیب کے پاس جاتا ہے اور اس کا نسخہ استعمال کرتا ہے۔ اگر دس بیس دن تک اس سے کوئی فائدہ نہ ہو تو وہ سمجھتا ہے کہ تشخیص یا علاج میں کوئی غلطی ہے۔ پھر یہ کیا اندھیر ہے کہ سالہا سال سے نمازیں پڑھتے ہیں اور اس کا کوئی اثر محسوس اور مشہود نہیں ہوتا۔ میرا تو یہ مذہب ہے کہ اگر دس دن بھی نماز کو سنوار کر پڑھیں تو تنویر قلب ہو جاتی ہے۔"

(ملفوظات جلد سوم ص ۴۴۵ و ص ۴۴۶)

روزنامہ الفضل ربوہ
پبلشر: مسعود احمد ۔ پرنٹر: قاضی منیر احمد، مطبع ضیاء الاسلام پریس ربوہ مقام اشاعت: دارالنصر غربی ربوہ ۔ قیمت ایک روپیہ پچاس پیسے

۲۸ ہجرت ۱۳۶۸ہش ۲۸ مئی ۱۹۸۹ء

Digitized by Khilafat Library Rabwah

مقدمات کا ابتلاء

مقدمات بھی ایک ابتلاء ہوتے ہیں ۔ سچے ہوں یا جھوٹے ۔ وقت کا ضیاع پریشانی کا باعث اور روپے کا جا و بے جا استعمال ۔ حضرت بانی سلسلہ عالیہ احمدیہ کو پہلے اپنے والد محترم کے مقدمات کی پیروی کے لئے عدالتوں میں جانا پڑتا تھا ۔ حضور مقدمات کو ناپسند فرماتے تھے گھر سے جاتے وقت اقرباء سے فرماتے کہ جا تو رہا ہوں اور وہ اس لئے کہ والد محترم کا ارشاد ہے لیکن اس کام کو پسندیدہ نہیں سمجھتا اور دعا کی درخواست کرتے کہ اللہ تعالےٰ اس فریق کو کامیابی عطا فرمائے جو حق پر ہے یہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ مجھے کامیابی دے ۔

اس کے بعد حضور کی اپنی ذات پر مقدمات شروع ہو گئے ۔ کبھی ایک بات پر اور کبھی دوسری بات پر حتیٰ کہ قتل کے مقدمات بھی ہوئے ۔ اس بات پر بھی مقدمہ ہوا کہ حضور نے ایک مسودہ میں (جسے پروف کہا جا سکتا ہے) ایک خط بھی (جو ہدایات پر مشتمل تھا) رکھ دیا تھا ۔ حضور کو اس بات کا علم نہ تھا کہ ملکی قوانین کے ماتحت ایسا کرنا جرم کے زد میں آتا تھا ۔ بات بالکل واضح تھی اور وکلاء کے خیال میں جھوٹ بولے بغیر گزارہ نہ تھا وکیل بار بار تلقین کر رہا تھا کہ حضور اس بات سے انکار کر دیں کہ خط اس لفافے میں رکھا تھا جس میں مسودہ تھا لیکن حضور نہ مانے ۔ حضور نے فرمایا کہ میں تو سچ بات کہوں گا ۔ اگر سچ کی خاطر سزا بھی ہو جائے تو کیا ہے میں جھوٹ ہرگز نہیں بولوں گا، اور حضور نے جج کے سامنے سچ ہی بولا اور اللہ تعالےٰ کے حکم سے بریت ہو گئی ۔ حضور کے بعد بھی حضور کے جانشینوں پر مقدمات بنتے رہے گویا یہ ابتلاء جاری رہا سچ کو ہمیشہ فتح ہوئی اور جھوٹ اور شرارت کو شکست ۔

بعض دوستوں کو یاد ہو گا کہ قدرت ثانیہ کے دوسرے مظہر بھی مقدمہ کے سلسلہ میں گورداسپور تشریف لے جایا کرتے تھے ۔ حضرت ماسٹر عبدالرحمٰن صاحب (مہر سنگھ) کو دین کی خاطر قید و بند کی صعوبتیں برداشت کرنا پڑیں ۔ محترم سید دلاور شاہ صاحب کو بھی دین ہی کے سلسلہ میں جیل جانا پڑا ۔ اس وقت بھی چار ہزار سے زیادہ احمدی دوستوں کو ملک کے مختلف حصوں میں مقدمات میں ملوث کر رکھا گیا ہے ۔ سالہا سال سے یہ مقدمات چل رہے ہیں اور نئے بن رہے ہیں ۔ کچھ عرصہ سے سلسلہ کے اخبارات و جرائد اس ابتلاء کا شکار ہیں ۔ ہر چند دنوں کے بعد الفضل ۔ انصار اللہ ۔ خالد مصباح ۔ تشحیذ اس کا نشانہ بن جاتے ہیں ۔ وقت کا ضیاع ایک طرف اور پریشانی دوسری طرف ۔ کام میں خلل تو ایک منطقی نتیجہ ہے ۔ اکثر غیر از جماعت دوست ہمدردانہ رویہ رکھتے ہیں اور اس طریق کار کو ناپسندیدگی کی نظروں سے دیکھتے ہیں ۔ لیکن نہ وہ کچھ کر سکتے ہیں نہ ہم ۔

یہ ایک ابتلاء ہے اور ابتلاء دعاؤں سے دور ہوا کرتے ہیں اور جب دور ہوتے ہیں تو فتح مبین کا نظارہ پیش کرتے ہیں ۔ ہم سب اللہ تعالےٰ کے حضور دست بدعا ہیں کہ ان مقدمات کے فیصلے ہمارے حق میں ہوں اور ہم فتح کا نظارہ دیکھیں ۔ مقدمات کے محرک ناکامیوں سے دوچار ہوں اور حقائق پر غور کرنے پر مائل ہو جائیں ۔

ہم اس سلسلہ میں اسیرانِ راہ مولیٰ جو ایک لمبے عرصہ سے قید و بند کی صعوبتیں جھیل رہے ہیں کے متعلق خاص طور پر دست بدعا ہیں اور جملہ قارئین سے دعا کی درخواست کرتے ہیں ۔

اے خدا تو ہمارے اس ابتلاء کو دور فرما اور ہمیں فتح مبین سے نواز ۔ اے خدا تو ایسا ہی کر ۔

تری محفل سے ہو کر شاد کوئی بھی نہیں نکلا
نظر ویران، جاں بیتاب، دل اندوہگیں نکلا

ترا حرفِ تسلی ہو کہ غمخواروں کی غمخواری
علاجِ گردشِ ایام کوئی بھی نہیں نکلا

اسی سجدہ پہ عقبیٰ میں امیدِ سرفرازی ہے؟
کہ جو سجدہ یہاں بھی وجہِ تذلیلِ جبیں نکلا

اُسے ہم ڈھونڈتے تھے آسمانوں میں زمینوں میں
کہ جو نزدِ رگِ جاں خانۂ دل میں مکیں نکلا

وہ جس نے بارہا مجھ کو نکالا اپنی محفل سے
نہیں نکلا وہ میرے خانۂ دل سے نہیں نکلا

نکل کر تیرے کوچہ سے بالآخر ہو گیا ثابت
کہ جو نکلا وہاں سے پھر کہیں کا بھی نہیں نکلا

اُسے دیکھا تو شرمندہ ہوئے مہر و مہ و انجم
حرا کی تیرگی سے اس طرح نورِ یقیں نکلا

جسے ٹھکرا چکے ہو تم، اب اس کی جستجو کیسی!
ہر اک سے پوچھتے کیا ہو کہاں نکلا، کہیں نکلا

میں صحرائے عرب کو دیکھ کر حیران ہوتا ہوں
اسی صحرا سے کیا اک چشمۂ خلد آفریں نکلا

یہ تیری گفتگو اے شیخ کیا تقلید ہے اس کی!
کہ جس کے لب سے ہر اک حرفِ مثلِ انگبیں نکلا

مرا نالہ بلا کی قوتِ پرواز رکھتا ہے
نکل کر میرے سینہ سے سرِ عرشِ بریں نکلا

اگرچہ این و آں کرتے رہے دعوے محبت کے
سرِ دار و رسن لیکن نہ آں نکلا نہ ایں نکلا

بظاہر سارے گلہائے مسرت چن لئے میں نے
مگر وہ ایک کانٹا جو مرے دل سے نہیں نکلا

پیمبر سب کے سب عالی مقام آئے مگر پھر بھی
مرا آقا مرا مولیٰ شہِ دنیا و دیں نکلا

کہاں تو اور کہاں عشقِ نبیؐ محمودؔ وارفتہ
ترے دل سے ابھی یہ زعمِ باطل کیوں نہیں نکلا

ڈاکٹر محمود الحسن امین آبادی

Digitized by Khilafat Library Rabwah

پروفیسر ڈاکٹر پرویز پروازی

ذہن کے دریچوں سے خودنمائی

پچھلے بیس تیس برسوں میں ہمارے ہاں اردو میں یادداشتی ادب پر مشتمل بے شمار کتابیں منظر عام پر آئی ہیں سوانح خودنوشت سوانح عمریاں، یادداشتیں، باتیں، احباب کے تذکرے، خاکے، چہرے، وغیرہ۔ ادھر کچھ عرصہ سے میں بھی ذہنی طور پر زیادہ یادداشتی ادب سے ہی استفادہ کر رہا ہوں جس کی تحریک، دوسری جنگ عظیم کے بارہ میں جاپان کی شکست کے محرکات کا جائزہ لینے سے ہوئی تھی۔ جس شخص سے بھی اس سلسلہ میں بات ہوئی اس کے اندر داستانوں کا طوفان چھپا ہوا ملا۔ پھر کتابیں اکٹھی کرنا شروع کیں تو زیادہ تعداد سوانح عمریوں کی ٹھہری۔

اپنے ہاں کی جن سوانح کو ایک بار سرسری نظر سے پڑھ کر نظر انداز کر دیا تھا ان میں نئی معنویت پیدا ہوتی دکھائی دینے لگی چنانچہ کئی خودنوشت سوانح دوبارہ پڑھیں اور ان کی نئی پرتوں کا انکشاف ہوا۔ لوگوں نے اپنی یادداشتوں کو مرتب کر کے گویا پڑھنے والوں کے لئے نئے جہان آباد کر دیئے ہیں۔ سب سے پہلے اپنے ادبی ہوش میں جس کتاب نے سب سے زیادہ متاثر کیا تھا وہ عبدالمجید سالک مرحوم کی سرگذشت تھی۔ سالک صاحب تو اردو کے چوٹی کے ادیب، صحافی اور شاعر تھے۔ پھر ان کا اپنا اسلوب تھا۔ ایسا اسلوب جان کے ساتھ ختم ہو گیا۔ کوئی اس کی نقل نہ کر سکا۔ سالک صاحب کے فکاہیوں میں جو چٹخارہ اور بین السطور جو طنز تھا وہ ان کے بعد کسی اور میں پیدا نہ ہوا۔ مجھے یاد ہے لاہور سے ایک روزنامہ "ملت" نکلا کرتا تھا۔ اس میں قمر اجنالوی "ذکر و فکر" کے نام سے فکاہیہ لکھتے تھے۔ ان کے ایک فکاہیہ پر سالک مرحوم نے خوش ہو کر کہا تھا کہ قمر اجنالوی کو "افکار و حوادث" لکھنے کی اجازت دیتا ہوں۔ غالباً قمر اجنالوی صاحب نے کچھ عرصہ افکار لکھے بھی۔ بہر طور ذکر تو سالک صاحب کی سرگذشت کا تھا۔ اس کے بعد کی یا اس سے پہلے کی ان کی کتاب "یاران کہن" بھی ہے جس میں اس دور کے مشاہیر کا تذکرہ ہی نہیں اس دور کی پوری سیاسی اور سماجی تاریخ بھی بیان ہو گئی ہے۔

ان معروضات کا مقصد یہ ہے کہ ہر انسان، اپنے عہد کا زینہ بہ زینہ سفر طے کرتا ہوا، اگلی منزل کی جانب بڑھتا ہے۔ لامحالہ اس کے اس سفر میں بے شمار نشیب و فراز آتے ہیں۔ لوگ آتے ہیں جاتے ہیں۔ چل چلاؤ لگا رہتا ہے۔ قافلہ چلتا رہتا ہے۔ اس سفر میں کچھ یادیں اس کے ذہن میں محفوظ ہو جاتی ہیں کچھ محو ہو جاتی ہیں، کچھ لوگوں کے لئے تو اس کا رشتہ استوار ہوتا اور رہتا ہے کچھ کے ساتھ قائم ہوتا اور کٹ جاتا ہے۔ انسان کی زندگی اپنی دوستیوں، چاہتوں، اور رفاقتوں کی مسلسل داستان ہے۔ کچھ رفاقتوں کو دوسرے توڑ کر زندگی کے بندھن سے آزاد ہو گئے۔ کچھ رشتوں کو یہ توڑ کر آگے گذر جائے گا۔ نہ دوسرے باقی رہے۔ نہ اسے باقی رہنا ہے۔ زندگی کا سفر یونہی جاری رہے گا تا آنکہ وہی ہو گا کہ ؎

جس جگہ جا کر لگے وہ ہی کنارا ہو گیا

دوسروں کی یادداشتیں پڑھتے ہوئے کچھ ایسے نام بھی سامنے آئے جن کے ساتھ میرا بھی تھوڑا بہت ذہنی یا فکری رشتہ رہا ہے۔ خیال آیا کہ وہ ذہنی رفاقتیں سپرد قرطاس کر دوں تاکہ جانچ سکوں کہ میں نے کیا کھویا کیا پایا۔ چنانچہ صرف ان بزرگوں کا مختصر تذکرہ کر رہا ہوں جن سے عمر کے کسی حصہ میں ذہنی یا فکری رابطہ رہا ہے۔

سب سے پہلی شخصیت تو عبدالمجید سالک مرحوم کی سامنے آتی ہے۔ سالک صاحب ۱۹۵۴ء میں تعلیم الاسلام کالج میں تشریف لائے۔ تقریب یہ تھی کہ سالانہ مباحثہ میں منصف کے طور پر انہیں زحمت دی گئی تھی۔ پروفیسر نصیر احمد خان انہیں لے کر آئے تھے۔ میں 'بزم اردو' کا نائب معتمد اور المنار کا مدیر تھا۔ مباحثوں کے بعد ہم نے سالک صاحب کے ساتھ ایک ادبی نشست کا اہتمام کیا۔ کالج کے کیمسٹری تھیٹر میں یہ تقریب ہوئی۔ سالک صاحب نے اپنی صحافتی اور ادبی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی۔ جب سوالات کا وقفہ ہوا تو بڑے دلچسپ سوالات ہوئے میں نے سوال کیا کہ آپ کو اپنے فکاہیوں میں سے کون سا فکاہیہ پسند آیا ہے؟ فرمایا فکاہیہ کوئی شعر تو ہوتا نہیں کہ یاد رہ جائے دوسرے یہ کہ ہر فکاہیہ کا ایک خاص سیاسی پس منظر ہوتا ہے جب تک اس پس منظر سے آگاہی نہ ہو پڑھنے والا یا سننے والا اس سے پوری طرح لطف اندوز نہیں ہو سکتا۔ بہر حال دو فکاہیے مجھے یاد ہیں وہ سناتا ہوں۔ پہلے کا پس منظر یہ ہے کہ کانگرس نے لاہور میں دریائے راوی کے کنارے اکھنڈ بھارت کی قرارداد منظور کی تھی۔ میں نے اگلے روز اپنے فکاہیہ میں لکھا تھا کہ "رات کانگرس نے راوی کے کنارے جو قرارداد منظور کی ہے وہ "دروغ بر گردن راوی" ہے۔

دوسرے فکاہیہ کا پس منظر یہ ہے کہ خبر آئی کہ افریقہ کی کسی برطانوی نوآبادی میں کوئی ڈپٹی کمشنر، آدم خور قبائل کے ہتھے چڑھ گیا اور وہ اسے پکا کر کھا گئے۔ میں نے لکھا کہ "ہمارے ہاں تو جیتا جاگتا ڈپٹی کمشنر بڑا کڑوا کسیلا ہوتا ہے پتہ نہیں افریقیوں نے جس ڈپٹی کمشنر کو پکا کر کھایا اس کا ذائقہ کیسا رہا ہو گا"!

ان دونوں فکاہیوں پر سالک صاحب کو خوب داد ملی اور سالک صاحب کے ساتھ ہماری دوستی ہو گئی۔ اگلے روز یا اسی شام کو وہ حضرت فضل عمر کی بارگاہ میں باریاب ہوئے۔ حضور سے ان کی پرانی دوستی تھی۔ حضور نے کھانے سے ان کی تواضع اور عزت افزائی فرمائی مشہور شاعر نازش رضوی بھی ان کے ساتھ تھے۔ کھانے کے بعد حضور نے سالک صاحب سے کہا کوئی غزل سنائیے۔ سالک صاحب نے اپنے مخصوص ترنم میں

"چراغ زندگی ہو گا فروزاں ہم نہیں ہو گے"

والی غزل سنائی اور پھر فرمائش کی کہ حضور بھی کلام عطا فرمائیں حضور نے بات ٹالنے کے لئے کہا "سالک صاحب آپ جانتے ہیں میں شاعر وا عر تو ہوں نہیں۔ البتہ دین کے نکتہ نظر سے کبھی کبھار شعر" سالک صاحب نے فوراً بات کاٹی تو حضور "آپ فرمائیں میں اور نازش احمدی نہیں ہیں" اس پر قہقہہ پڑا اور حضور کو شعر سنانے پڑے۔ یہ واقعہ سالک مرحوم نے خود مجھے سنایا تھا۔ بعد میں اس کی تصدیق نازش رضوی مرحوم نے بھی کی۔

سالک صاحب کی مسلم ٹاؤن والی کوٹھی میں دوبارہ حاضر ہونے کا موقع ملا۔ دونوں بار بڑی محبت سے پیش آئے۔ کوٹھی کے صحن میں نشست رکھتے رکھتے اور عام طور سے گاؤ تکیہ لگا کر فرش پر بیٹھتے تھے۔ دونوں بار اسی طرح بیٹھے ہوئے ملے۔ پہلی نشست میں ایک یادگار لطیفہ یہ ہوا کہ کسی نے پوچھ لیا کہ حضرت تاجور اور تاج دار میں کیا فرق ہے۔ برجستہ فرمایا میاں وہی جو جانور اور جان دار میں ہے۔ اس پر خوب قہقہہ بلند ہوا۔ لطف یہ تھا کہ پوچھنے والے صاحب علامہ تاجور نجیب آبادی کے شاگردوں میں سے تھے۔

سالک صاحب کی شخصیت کی جو جہتیں اب تک میری آنکھوں کے سامنے پھر رہی ہیں یہ ہیں کہ نہایت وضع دار، مہذب اور رکھ رکھاؤ والے آدمی تھے۔ باتیں کرتے تو گویا منہ سے پھول جھڑتے تھے۔ جب کوئی مزاح کی بات ان کی زبان تک آتی تو آنکھوں میں ایک خاص قسم کی روشنی آ جاتی۔ مجھے یوں محسوس ہوتا تھا کہ جیسے ان کی آنکھوں سے روشنی کی شعاعیں نکل رہی ہیں۔ اب انہیں شعاعوں سے ضمناً جملہ معترضہ کے طور پر بات یاد آ گئی۔ میرا برسوں یہ معمول رہا کہ جلسہ سالانہ کے درمیانی دن یعنی ۲۷ دسمبر کی رات کو اپنے غریب خانہ پر ایک مشاعرہ کا اہتمام کرتا تھا جس میں جلسہ پر آئے ہوئے احمدی اور غیر احمدی شعراء شریک ہوتے تھے۔ اور یہ مشاعرہ گویا شعراء کی سالانہ ری یونین کا حکم رکھتا تھا۔ حضرت قیس مینائی نجیب آبادی اللہ تعالیٰ انکی عمر اور صحت میں برکت دے، بھی تشریف فرما تھے۔ باتوں باتوں میں قوت توجہ کا ذکر ہوا۔ قیس صاحب کہنے لگے میاں یہ واقعی ایک ایسی قوت ہے جو حاصل کی جا سکتی ہے اور مشق بہم پہنچا کر اس میں کمال بھی حاصل کیا جا سکتا ہے۔ پڑھے لکھوں کا مجمع تھا۔ لوگ گرد ہو گئے کہ ثبوت دیجئے۔ قیس صاحب نے فرمایا بوڑھا ہو گیا ہوں اعصاب میں وہ زور تو نہیں مگر خیر آپ حضرات کہتے ہیں تو اپنی سی کوشش کر دیکھتا ہوں چنانچہ آپ نے فرش پر ایک قلم رکھا۔ کمرے کی روشنی گل کروا

Digitized by Khilafat Library Rabwah

دی ۔ صرف بیٹری کی ہلکی سی روشنی میں قلم پر توجہ مرتکز کرنا شروع کی اور صاحب ہمارے دیکھتے دیکھتے وہ قلم ہلنا شروع ہوا ۔ قیس صاحب کی طرف چلا اور پھر سیدھا کھڑا ہو گیا ۔ اس وقت میں نے قیس صاحب کی آنکھوں سے چنگاریاں نکلتی ہوئی دیکھیں ۔ سب لوگ انگشت بدنداں رہ گئے ۔ اس کے بعد ہر سال قیس صاحب سے فرمائش ہوتی رہی مگر وہ طرح دے جاتے رہے ۔ اب تو بچارے بہت ضعیف اور نحیف ہیں مگر آواز میں وہ دم خم اور کلام میں وہ چٹخارہ اب بھی موجود ہے ۔ اللّٰھم طول حیاتہ ذکر سالک صاحب کی آنکھوں کی روشنی کا تھا بات کہاں پہنچ گئی ۔ یادداشتی ادب کی یہی تو خصوصیت ہوتی ہے کہ بات میں سے بات نکلتی چلی جاتی ہے ۔ آنکھ نے دل سے کہی ، دل نے زبان سے کہہ دی ۔ بات چل نکلی ہے ۔ اب دیکھیں کہاں تک پہنچے ۔

دوسرا واقعہ جو سالک صاحب کی زبان سے سنا ہوا ہے وہ یوں ہے کہ رتن باغ میں حضرت فضل عمر سے ملنے کیلئے تشریف لائے اپنے مخصوص لباس میں ۔ شیروانی ۔ ٹوپی ۔ شلوار ۔ ہاتھ میں چھڑی دیکھا کہ ملاقات کے کمرہ میں درد صاحب ، سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب اور اسی مرتبے کے دو ایک بزرگ اور بیٹھے ہیں ۔ سالک صاحب نے پرائیویٹ سکرٹری سے کہا "میاں صاحب کو میرے آنے کی اطلاع کر دیں" اور اپنے ان جاننے والوں کے پاس بیٹھ گئے ۔ ان میں سے کسی ایک نے کہا " سالک صاحب ، باپ احمدی ، بھائی احمدی اب آپ بیعت کر ہی لیں" دو چار منٹ کے اندر ، حضرت فضل عمر نے سالک صاحب کو ملاقات کے لئے طلب کیا اور مبایعین ، بیٹھے رہ گئے ۔ کوئی آدھ پون گھنٹے کے بعد سالک صاحب مسکراتے ہوئے باہر نکلے ، اور ان حضرات کو ٹھینگا دکھاتے ہوئے کہنے لگے ، " اوئے بیعت کر کے یہاں قطار میں لگنا ہے ؟"

سالک صاحب کی طبیعت کی شگفتگی ، ان کے مزاح کی لطافت ، انکی وضع داری ، ان کے بعد بہت کم لوگوں میں دیکھنے میں آئی ۔ اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند کرے ۔

(۲)

تحدیث نعمت ، میں تو چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب نے اسد ملتانی کا ایک نعتیہ شعر درج کیا ہے ۔

ہر ذرہ کو دیکھا ہے محبت کی نظر سے
شاید کہ وہ گذرے ہوں اسی راہ گذر سے

اسد ملتانی حکومت پاکستان کے سیکرٹریٹ میں معزز عہدہ پر فائز تھے غالباً اسسٹنٹ سکرٹری تھے ۔ ان کی نعتیہ نظمیں بہت مشہور ہوئیں ۔ غزل بھی بڑی زوردار کہتے تھے ۔ ان کا ایک شعر یاد ہے ؎

رہیں نہ رند ، یہ زاہد کے بس کی بات نہیں
تمام شہر ہے دو چار دس کی بات نہیں

اسد ملتانی کے ذکر پر کشفی ملتانی یاد آئے ۔ ۱۹۶۰ء میں میں گورنمنٹ کالج مظفر گڑھ میں بطور لیکچرار تعینات ہوا ۔ مظفر گڑھ پہنچتے ہی وہاں کی ادبی شخصیات کے بارہ میں تجسس کیا تو معلوم ہوا کہ شہر کے سب سے مشہور اور بڑے شاعر جناب کشفی ملتانی ہیں ایک پرچہ بھی نکالتے ہیں "بشارت" اگلے روز ان سے ملنے کے لئے ان کے دولت کدے پر دو چار دوستوں کے ساتھ حاضر ہوا ۔ دیکھا کہ گہرے سانولے رنگ کے ایک بزرگ ہیں ۔ آواز بڑی گمبھیر ہے چہرے پر فلک سیر کے زیر اثر اور زیادہ ملنگ پن پیدا ہو چکا ہے مگر طبیعت میں رومانیت ہے ۔ دو چار غزلیں سنانے کے بعد کہنے لگے آپ لوگ بھی کچھ سنائیے ہم نے بھی حسب توفیق "ماحضر" پیش کیا ۔ خوش ہوئے فرمانے لگے اب میں آپکو اپنا اصلی کلام سناؤں گا ۔ یہ کہہ کر ہلکے ہلکے ترنم کے ساتھ جو غزل سنائی اس کا سرور آج تک باقی ہے دو چار شعر یاد ہیں ۔

شور ہے ہر طرف ، سحاب سحاب
ساقیا ! ساقیا ! شراب شراب
جام گرنے لگا تو بہکا شیخ !
تھامنا ! تھامنا ! کتاب کتاب
آب زمزم کو مے سے کیا نسبت
پانی پانی ہے اور شراب شراب
رند بخشے گئے قیامت میں !
شیخ کہتا رہا حساب حساب

کشفی ملتانی کی اس غزل نے وہ سماں باندھا کہ سبحان اللہ ! اس غزل کا آخری شعر تو مدتوں پہلے سے من رکھا تھا مگر یہ معلوم نہ تھا کہ یہ شعر کشفی صاحب کا ہے بعض شعر ایسے ہوتے ہیں کہ وقت کی فصیل کو پھلانگ جاتے ہیں ۔ شاعر تو اپنی عمر کی گرد میں دب جاتا ہے ۔ ایسا شعر کبھی نہیں مرتا ۔ پرانے تذکروں میں کئی ایسے شعر درج ہیں جنہیں کہنے والے مر گئے مگر ان کا کہا نہیں مرا ۔ یہی حال کشفی صاحب کے اس شعر کا ہوا ۔ کشفی صاحب کا باقی کلام خدا معلوم ہے کا یا نہیں مگر اس غزل کے بارہ میں میری توقع ہے کہ مدتوں زندہ رہے گی ۔ اس موقع پر سید آل رضا مرحوم کا ایک شعر بھی یاد آ رہا ہے جو اسی زمرہ میں آتا ہے ؎

کشت ہے آب نے دیکھے ہیں وہ کالے بادل
جو کہیں اور برسنے کو ادھر سے گذرے !

امجد حیدر آبادی کا یہ نعتیہ شعر تو ہر کس و ناکس کی زبان پر ہے ؎

کس چیز کی کمی ہے مولا تیری گلی میں
دنیا تری گلی میں عقبیٰ تری گلی میں

مگر شاعر سے کتنے لوگ واقف ہیں ۔ مظفر گڑھ میں جن شعراء سے ملاقات ہوئی ان میں ایک نواب جلال میرزا خانی بھی تھے ۔ مالیر کوٹلے کے نوابین سے ان کا کوئی نسبتی تعلق تھا ۔ گھر میں عسرت کا نقشہ تھا مگر نوابی وضعداری نبھاتے چلے جا رہے تھے سیمنٹ کی ایک ایجنسی تھی اور وہی ذریعہ معاش تھا ۔ حویلی جو انہیں الاٹ ہوئی تھی نہایت خستہ تھی مظفر گڑھ جیسے مقام پر بھی نواب صاحب کی شان یہ تھی کہ نہایت نستعلیق لباس زیب تن فرما کر خراماں خراماں گھر سے نکلتے اپنی ایجنسی تک تشریف لاتے ایک روز ہم ناوقت انکے ہاں حاضر ہوئے ۔ ملازم نے کہا "حضور خاصہ تناول فرما رہے ہیں تشریف رکھئے ابھی آ جاتے ہیں" تھوڑی دیر کے بعد تشریف لائے ۔ ہم لوگ اپنی جگہ پر خجل تھے کہ ناوقت حاضر ہوئے وہ اپنی جگہ پریشان کہ یہ لوگ کیوں آئے ہیں ؟ ہم نے مدعا عرض کیا تو فرمایا "میں اس وقت تو آپ کے ہمراہ چلنے سے قاصر ہوں کہ قیلولہ کرنے کی عادت ہے ہاں بعد از نماز عصر میں کشفی صاحب کے ہاں حاضر ہو جاؤنگا" ہم لوگ اٹھ آئے ۔ نواب صاحب حسب وعدہ تشریف لائے " جس مقصد کے لئے ہم نے انہیں تکلیف دی تھی ۔ وہ بطریق احسن پورا ہو گیا ۔ اب وہ مقصد بھی سن لیجئے ۔ ہم نے کالج میں کشفی صاحب کے ساتھ ایک شام کا اہتمام کیا ۔ بہت لطف رہا ۔ شہر کے معززین بھی شریک ہوئے ۔ یہ پر لطف مجلس کئی دنوں تک مظفر گڑھ کے ادبی حلقوں میں زیر بحث رہی ۔ ایک صاحب نے جن کا نام میرے ذہن سے محو ہو رہا ہے مجھے ایک رجسٹری خط لکھا کہ "آپ نے کشفی ملتانی کو مظفر گڑھ کا سب سے بڑا شاعر کہکر میری توہین کی ہے لہٰذا معافی مانگئے اور اس پر نواب جلال میرزا خانی کی گواہی دلوائیے کہ آپ نے سہواً ایسا کیا ہے اور آئندہ ایسی غلطی کا ارتکاب نہیں کرینگے ۔ ورنہ میں آپ کے خلاف ازالہ حیثیت عرفی کا دعویٰ کرنے والا ہوں" اس خط پر ہنسی بھی آئی اور لکھنے والے کے خبط پر افسوس بھی ہوا ۔ اسی لئے ہم لوگ ناوقت نواب صاحب کے در دولت پر جا دھمکے ۔ ولے بخیر گذشت !

اسی تقریب کے سلسلہ میں ایک اور واقعہ بھی یاد آ رہا ہے ۔ تعلیم الاسلام کالج ربوہ کے ایک مشاعرہ میں سرگودھا کے ایک مزاح گو شاعر بھی شریک ہوئے تھے ۔ حکیم عبدالمجید راحی دہلوی ۔ آپکی ایک رباعی بہت پسند کی گئی تھی ۔

اک قائد اعظم تھے کہ سبحان اللہ !
اک شان لیاقت تھی کہ ماشاء اللہ !
اک میں ہوں اور اس دور کے لیڈر ہیں
لاحول ولا قوۃ الا باللہ

شام کشفی کا تذکرہ مظفر گڑھ کے موقر جریدے "بشارت" میں چھپا تو کوٹ ادو سے راحی صاحب کا خط آیا کہ میاں فرماتے ہیں تم وہی ربوہ والے شخص ہو ۔ اگر میرا اندازہ درست ہے تو ہمارے ساتھ بھی ایک شام کا اہتمام کرو ۔ میں نے فوراً خط لکھا آپ کا اندازہ درست ہے اور ہم آپ کے ساتھ شام منانے کے لئے تیار ہیں آپ وقت اور تاریخ سے مطلع کر دیجئے تاکہ ہم انتظام کر سکیں ۔ راحی صاحب اس خط کو پی گئے ۔ ہفتہ ، دو ہفتے ، مہینہ ، دو مہینے ۔ جواب ندارد ۔ کالج میں چھٹیاں ہو گئیں ۔ اچانک ایک روز ایک پوسٹ کارڈ ملا ۔ لکھائی راحی صاحب کی تھی مگر دستخط اور پتہ نہیں تھا ۔ لکھا تھا آپکا خط راحی صاحب کو مل گیا تھا مگر وہ ایک باغیانہ نظم کے سلسلہ میں پولیس کو مطلوب ہیں لہٰذا روپوش ہیں" چلئے چھٹی ہوئی ورنہ شائد ہم گورنمنٹ کالج میں ان کی باغیانہ نظم پڑھوانے کے جرم میں دھر لئے جاتے ۔ راحی صاحب بفضلہ ابھی تک حیات ہیں ۔ پچھلے دنوں آپ نے شوشہ چھوڑا تھا کہ آپ نواب زادہ نصر اللہ خان صاحب کے مقابلہ پر قومی اسمبلی کا الیکشن لڑنے والے ہیں ۔ کچھ دنوں بعد اس عنوان سے خبر شائع ہوئی کہ ایک سو بیس سالہ شاعر نے نواب زادہ نصر اللہ خان صاحب کے مقابلہ میں الیکشن سے دست برداری کا اعلان کر دیا ہے ۔ اس خبر سے ہمیں یہ جان کر مسرت ہوئی کہ راحی صاحب ماشاء اللہ ایک سو بیس برس کے ہو گئے ورنہ ہم نے تو ۱۹۵۵ء میں ہی انہیں ایک سو بیس برس کا سمجھ لیا تھا ۔

Digitized by Khilafat Library Rabwah

غلطیہائے مضامیں مت پوچھ۔

مظفر گڑھ میں مکرم ڈاکٹر ولی محمد ساغر کو جو ہماری طرح پہلی بار سرکاری ملازمت کے سلسلہ میں سول ہسپتال مظفر گڑھ میں متعین ہوئے تھے۔ سرکاری مکان ملا ہوا تھا۔ وہیں، پروفیسر شاہد حسین پروفیسر صدر شعبہ فلسفہ گورنمنٹ کالج لاہور اور ڈاکٹر مظہر محمود شیرانی (جو اختر شیرانی کے بیٹے اور ڈاکٹر محمود شیرانی کے پوتے ہیں) اور آج کل شیخوپورہ میں فارسی کے پروفیسر ہیں، ان کے ساتھ مقیم تھے اور خود ہی کھانا تیار کرتے تھے۔ کیونکہ ہمیں تلاش بسیار کے باوجود مظفر گڑھ میں باورچی دستیاب نہیں ہوتا تھا، ہم سب لوگ اپنے اپنے فن میں طاق تھے۔ میں پکاتا تو ہنڈیا ذوق کا قصیدہ بن جاتی کہ بوٹیاں اپنی اپنی جگہ "نشۂ علم میں سرمست غرور و نخوت" نظر آتیں۔ شاہد حسین کی باری ہوتی تو ہر چیز خلط ملط ہو جاتی فلسفہ کی گتھیوں کی طرح، ڈور کو سلجھا رہا ہے اور سرا ملتا نہیں۔ مظہر محمود شیرانی بچارا فارسی پڑھتا، تیل بیچتا باپ کی رومانی شاعری کام آتی نہ دادا کی علمیت سہارا دیتی۔ کھانے بیٹھتے تو یوں لگتا جیسے فارسی بول رہے ہیں۔ رہے ڈاکٹر ولی محمد ساغر (پروفیسر آف سرجری فیصل آباد) تو ہم لوگوں نے انہیں ان کی خوب روئی، نزاکت اور حسن دہناسی کی بیان کردہ سرجن کی خوبیوں کی بنا پر کھانا پکانے کی مشقت معاف کر رکھی تھی حسن دہناسی نے سرجن کے بارہ میں جو کہا ہے۔ مجھے یاد ہے سب ذرا ذرا تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو۔

علاج جراحت میں حاذق وہ چن
طبیعت میں ہوں جس کی یہ چار گن
نظر باز کی سر فلاطون کا
جگر شیر کا ہاتھ خاتون کا!

اسکے علاوہ ڈاکٹر ولی کی شہر میں بہت مانگ تھی۔ جو مریض تھا وہ سیدھا ولی کے گھر کا رخ کرتا تھا۔ ملک قادر بخش جھکڑ صاحب جو بعد میں مغربی پاکستان کابینہ میں وزیر بنے دل کے کیا ولی کے مریض تھے۔ ذرا طبیعت ناساز ہوتی ولی کو بلا بھیجتے اور ولی جو اب جراحت کے پروفیسر ہیں اس وقت بھی یہی نسخہ لکھتے ہوں گے کہ ؎

نہ پوچھ نسخۂ مرہم جراحت دل کا
کہ اس میں ریزۂ الماس جزو اعظم ہے

اللہ نے ان کے ہاتھ اور زبان میں شفا رکھی تھی۔ لوگ کھچے آتے تھے۔

کیوں وہ صیاد کسی صید پہ تو سن ڈالے
صید جب خود ہی چلے آتے ہوں گردن ڈالے

اب بھی اللہ تعالیٰ کے فضل سے یہی عالم ہے فیصل آباد میں انہی کا نشتر چلتا ہے۔

خان سامانی کی یہ مشقتیں بار ہونے لگیں تو ہم نے فیصلہ کیا کہ صبح جو پہلا شخص بظاہر نوکری کی تلاش میں پھرتا نظر آئے اسے ملازم رکھ لیا جائے۔ پکانا خود سیکھ لیں گے۔ چنانچہ دیکھا کہ ایک صاحب خراماں خراماں چلے آ رہے ہیں۔ شکل و صورت سے ذہین اور ہاتھ پاؤں سے مضبوط نظر آتے ہیں۔ پوچھا "نوکری کرو گے؟" فرمایا "جی سائیں" پوچھا "کھانا پکانا جانتے ہو؟" فرمایا "کھانا جانتا ہوں پکانا نہیں جانتا۔" ہم اس جواب پر پھڑک گئے۔ عبد الکریم دستی کو ہم نے ملازم رکھ لیا۔ معلوم ہوا مظفر گڑھ کے جاگیرداروں میں سے ہیں۔ طاقت ور عزیزوں نے جائیداد پر قبضہ کر رکھا ہے یہ بیچارے جوتیاں چٹخاتے پھرتے ہیں۔ عبد الکریم ہمارے ہاں اٹھ آیا۔ نہایت محنتی اور دیانتدار لڑکا تھا۔ عزت مند اور اپنے حال پر قانع۔ اس نے بھول کر بھی اپنی عسرت و تنگدستی کی وجوہات ہمارے سامنے بیان نہ کیں۔ مگر زمانہ جانتا تھا کون ظالم ہے کون مظلوم! شہر بھر میں اس کی بہت تکریم تھی!

ابھی کچھ دنوں کی بات ہے میں فیصل آباد کے کمشنر صاحب سے ملنے کے لئے گیا۔ انتظار کے کمرہ میں ایک سفید ریش بزرگ تشریف فرما تھے یہ لمبی داڑھی تھی ہاتھ بھر کی۔ کچھ دیر تو مجھے گھورتے رہے اسکے بعد لپک کر میرے پاؤں چھوئے۔ میں گھبرا گیا الٰہی خیر! یہ صاحب اچھے بھلے بیٹھے تھے۔ یکایک انہیں کیا ہو گیا ہے؟ میں نے کہا "حضرت! آپ کیوں مجھے گنہگار کر رہے ہیں۔" فرمانے لگے "آپ کا شاگرد ہوں" میں نے کہا "خدا نخواستہ آپ ایسا بزرگ میرا شاگرد کہاں سے ہو گیا۔" فرمایا "آپ ۱۹۶۰ء میں مظفر گڑھ میں پڑھاتے تھے میں آپ کی فورتھ ائر کلاس میں تھا۔" میرا نام شبیر ہے۔ میں نے بہتیرا ذہن پر زور دیا۔ ان صاحب کے چہرے سے داڑھی جدا کر کے ان کے خدوخال پہچاننے کی کوشش کی۔ مگر بے سود! ظاہر ہے وہ صاحب ٹھیک ہی کہتے ہوں گے مگر مجھے ان کی یاد مستحضر نہ ہو سکی! اللہ انہیں خوش رکھے کہ اس زمانہ میں بھی استادوں کے پاؤں چھوتے ہیں۔ ورنہ زمانہ تو وہ آ لگا ہے کہ لوگ استادوں کی پگڑی اچھالتے ہیں اور اسپر ندامت تک محسوس نہیں کرتے!

مظفر گڑھ کے شعراء میں ایک قانون دان تھے دانشمند خان۔ دانش تخلص کرتے اور نہایت دانشمندانہ شعر کہتے تھے۔ یعنی اپنی ہی طرز کے شاعر تھے ہلکے پھلکے ترنم سے پڑھتے تھے۔ تواضع خلیق، بردبار انکے ایک صاحبزادے میرے شاگرد تھے قنات مند خان کہیں پی آر ٹی سی میں ملازم تھے۔ بسوں کے باب میں خدا معلوم ان کی فراست کیا رنگ لاتی ہوگی۔ جھکڑ صاحب کے صاحبزادے ریاض تھے۔ ارادہ تو رکھتے تھے کہ باپ کی پیروی میں وکالت اور سیاست کے اکھاڑے میں اتریں گے مگر کبھی سیاست میں ان کا نام سننے میں نہیں آیا۔ خدا کرے وکالت ٹھیک چل رہی ہو۔

مکرم نصر اللہ خان ناصر صاحب ایم اے شاہد مربی سلسلہ احمدیہ

اپنے پیارے بھائی غلام حیدر صاحب کا ذکر خیر

میرے نہایت ہی پیارے اور محسن بھائی غلام حیدر صاحب نے ۱۳ جولائی ۱۹۸۸ء کو عصر کے وقت داعی اجل کو لبیک کہا۔ بہت سی خوبیوں کے مالک ملنسار، نیک اطوار اور خوش گفتار ہمیں سوگوار چھوڑ کر رخصت ہو گئے۔

مخالف و موافق کی سرد و گرم سن کر دھیمی سی مسکراہٹ ایک معمول تھا۔ صبر و رضا کے متوالے بھائی کی بے وقت حادثاتی موت اہل و عیال عزیزوں رشتہ داروں کے لئے ایک بہت بڑا صدمہ تھا۔ موضع نصیرہ کھاریاں میں ڈیوٹی کے دوران بجلی کی کرنٹ جان لیوا ثابت ہوئی۔ ایک کثیر تعداد محکمہ بجلی کے احباب جنازہ لے کر آئے اور مورخہ ۱۴ جولائی بعد نماز عصر محمود آباد نزد فتح پور ضلع گجرات میں تدفین عمل میں آئی۔ اس دنیا سے کوچ ایک نئی زندگی کا آغاز ہے۔ جو دائمی ہے اور انسانی تخلیق کے مقصد کی تکمیل ہے۔ جس کا مرکز و محور محبت الٰہی ہے اس لئے ہمارے جذبات تو یہی ہیں۔

بلانے والا ہے سب سے پیارا
اسی پہ اے دل تو جاں فدا کر

بھائی صاحب موصوف کی حادثاتی موت کے وقت تقریباً ۵۴ سال عمر تھی۔ ۳۲ سال واپڈا کے مختلف شعبوں میں ملازمت کی۔ ۱۹۵۵ء اور ۱۹۵۶ء میں نظارت امور عامہ میں بھی خدمت کا موقعہ ملا۔ واپڈا کی ملازمت کے دوران خصوصاً نہایت جرأت دلیری اور فرض شناسی سے کام کیا۔ آپ بڑے سے بڑے خطرہ کی بھی پرواہ نہ کرتے تھے۔ ایک دفعہ جب نظارت امور عامہ میں کارکن تھے تو مسلح ڈاکوؤں کو پکڑا۔ اور ان کے حملہ کے باوجود بھاگنے نہ دیا۔ آپ نے زیادہ عرصہ واپڈا کی کنسٹرکشن شاخ ایم سی پی میں خانپور ڈیم، گدو بیراج، راوی پل، سیالکوٹ بارڈر اور میرپور متھیلو سندھ میں کام کیا۔ آپ جہاں کہیں بھی رہے جماعت کے ساتھ گہرا تعلق رکھا۔ کشمور گدو بیراج میں نئی جماعت قائم کی اور قریشی عبد الرحمٰن صاحب امیر جماعت احمدیہ سکھر کی ہدایات پر کام کرتے رہے۔

آپ کو دعوت الی اللہ کا بڑا شوق تھا۔ خطبات، کیسٹ، الفضل اور ماہوار رسالے باقاعدہ مطالعہ کرتے۔ اور دوسرے دوستوں کو بھی دیتے۔ محمود آباد (فتح پور) میں بیت الذکر تعمیر کروائی۔ عبادات خصوصاً نوافل و اعتکاف میں بڑے خیال سے مصروف رہتے۔ اجتماعات اور جلسوں میں بڑے شوق سے شامل ہوتے۔ اور سب پروگراموں میں شامل ہوتے۔ پرانے رشتہ داروں کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر ان سے رابطہ قائم کرتے۔ انہیں دعوت الی اللہ دیتے اور باہمی رشتہ داری کے تعلقات کو مزید مضبوط بنانے کی کوشش کرتے۔

احباب جماعت سے دردمندانہ دعا کی درخواست ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کی بیوہ اور معصوم بچوں کو صبر جمیل کی توفیق دے۔ ان کی خود کفالت فرمائے اور انہیں ایسی خوبیاں عطا کرے جس سے وہ دین کے سچے خادم بنیں اور باپ کا نام زندہ رکھنے کا موجب بنیں۔

دعائے نعم البدل

مورخہ ۱۵ مئی ۱۹۸۹ء کو عزیزم آصف جاوید ابن محمد یونس صاحب باندھی ضلع نواب شاہ بعمر ایک سال وفات پا گئے۔

احباب دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ لواحقین کو صبر جمیل کی توفیق دے اور نعم البدل عطا فرمائے۔

(شریف احمد دہڑھوی باندھی ضلع نواب شاہ)

Digitized by Khilafat Library Rabwah

شذرات

نون۔ سین

کھانے کھلانے کی عادت

کھانے کھلانے میں آداب کا بھی بہت دخل ہوتا ہے اور رسم و رواج کا بھی کون پہلے کھائے اور کون بعد میں کھائے۔ کون بہتر کھائے اور کون کمتر کھائے، یہ ساری باتیں آداب اور رسم و رواج سے تعلق رکھتی ہیں۔ آپ نے دیکھا ہوگا کہ دیہی کی دعوت میں عام طور پر اور اس عام طور پر سے مراد ۹۹ فیصد ہے۔ مرد حضرات پہلے کھاتے ہیں اور اس کے بعد خواتین اور بچوں کی باری آتی ہے اور اس طرح اگر دوپہر کا کھانا ہو تو مرد ڈیڑھ دو بجے تک فارغ ہو جائیں گے۔ اور عورتیں اور انکے ساتھ بچے بیچارے تین ساڑھے تین بجے کھانا شروع کریں گے۔ بعض گھروں میں دیکھا گیا ہے کہ کوئی مہمان آجائے تو لوگ اپنے بچوں کو ایک طرف کر دیتے ہیں، جاؤ جاؤ کھیلو۔ خاص طور پر جب مہمان کے آگے کچھ کھانے کیلئے رکھا جاتا ہے تو بچوں کو ایک طرف کر دیا جاتا ہے۔ اس کے بالمقابل بعض گھرانے ایسے بھی ہیں (اگرچہ ہیں تو کم لیکن انہیں تعداد میں بڑھنا چاہیئے اور بڑھتے رہنا چاہیئے) کہ وہ بچوں کو بھی ساتھ بٹھاتے ہیں۔ یہ محبت کی بھی علامت ہے اور بچوں کے احترام کی بھی۔ اور اسکے علاوہ بچوں کی تربیت کی بھی۔ وہ بڑوں کو بیٹھے باتیں کرتے، کھاتے پیتے دیکھیں گے انکی باتیں سنیں گے، اور انکے ساتھ ساتھ کچھ کھائیں گے بھی۔ بعض لوگوں کو یہ اچھا لگتا ہے۔ ہمیں بھی اچھا لگتا ہے۔ یہاں ایک جینی معمر شخص کی بات ہمیں یاد آرہی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں بچپن میں تھا تو ان دنوں رواج یہ تھا کہ اچھی اچھی چیزیں بڑے لوگ کھاتے تھے۔ بڑے سے مراد عمر میں بڑے۔ گوشت ہے تو بھی اچھی بوٹیاں وہ کھاتے تھے اور ہڈیاں وغیرہ بچوں کے آگے رکھ دی جاتی تھیں۔ اب میں بوڑھا ہو گیا ہوں تو رواج بدل گیا ہے۔ عادات میں تبدیلی آگئی ہے۔ سب چیزیں بچوں کو دی جاتی ہیں۔ اچھی اچھی چیزیں۔ اور والدین یا بڑے لوگ ان سے کم تر قسم کی چیزیں کھاتے ہیں۔ مثلاً گوشت کو ہی لیجئے، اچھی بوٹی ہوگی بچے کے ہاتھ میں پکڑا دیں گے اور پیار سے کہیں گے یہ کھاؤ۔ اور میں پھر بچپن کا ویسا ہی رہ جاتا ہوں، گویا کہ اس معمر شخص کے بچپن میں تو رواج یہ تھا کہ بچوں کو بچی کھچی چیزیں دی جاتی تھیں اور اب جب کہ وہ بوڑھے ہو گئے ہیں تو رواج بدل گیا ہے۔ اب بچی کھچی چیزیں بوڑھوں کو دی جاتی ہیں اور اچھی اچھی چیزیں بچوں کو کھلائی جاتی ہیں۔ تو ان سب باتوں سے پتہ چلا کہ کھانے کھلانے کی باتیں بھی رسم و رواج اور عادات سے تعلق رکھتی ہیں۔ یہ سب باتیں کہنے کا یوں موقعہ بنا کہ ایک اخباری رپورٹ سے پتہ چلا کہ اس وقت دنیا میں ۵۰ کروڑ بچے ایسے ہیں جنہیں ان کی ضرورت کے مطابق غذا نہیں ملتی۔ ہم نے سوچا کہ اگر آجکل رواج یہ ہے کہ اچھی اچھی چیزیں بچوں کو دی جائیں، اور ان بچوں کو کوئی غذا نہیں مل رہی تو اس کا یقیناً یہ مطلب ہوگا کہ انکے والدین کو بھی غذا نہیں مل رہی۔ بات تشویش کی ہے لیکن ہے یہ بالکل حقیقت۔ باوجود اس کے کہ دنیا کے بعض علاقوں میں اتنی پیداوار ہوتی ہے کہ انہیں ایک کثیر حصہ زائد سمجھ کر ضائع کرنا پڑتا ہے۔ یا جو انکی میزوں پر چنا جاتا ہے اسمیں سے اتنا کچھ بچ جاتا ہے کہ شائد اچھے خاصے دو گھرانے اس سے پل سکیں، لیکن ایسا ہوتا نہیں۔ یہ بھی عادت کی بات ہے۔ آپ کا میز پوری طرح چنا ہو ایک کونے سے دوسرے کونے تک۔ کھائیں آپ چاہے تھوڑا سا ہی عادت ہوئی نا، تو یہ عادت دنیا کیلئے مفید نہیں ہے۔ اس سلسلے میں ایک اور بات بھی سامنے آتی ہے وہ یہ کہ بعض لوگوں کو جو غذا ملتی ہے وہ غذائیت سے بھرپور ہے۔ اور بعض دوسرے لوگوں کو جو غذا ملتی ہے وہ صرف یوں کہیئے کہ پھوک ہی ہوتا ہے۔ اس میں غذائیت نہیں ہوتی۔ ایسی چیزیں ہوتی ہیں کہ جو پیٹ تو بھر سکتی ہیں لیکن پیٹ بھرنے کا جو اصل مقصد ہے کہ انسانی جسم کو قوت ملے وہ انہیں حاصل نہیں ہوتی۔ یہ بھی ایک ایسا مسئلہ ہے جو تشویش پیدا کرتا ہے۔ اس سے صحت کمزور ہوتی ہے۔ اس سے امراض زیادہ ہوتی ہیں۔ اسی سے عمر کی طوالت میں فرق پڑتا ہے۔ تو گویا اس سلسلے میں بھی کچھ نہ کچھ کرنے کی ضرورت ہے۔ غذائیت سب کو ملنی چاہیئے۔ جن کو نہیں مل رہی یا جن کو کم مل رہی ہے ان کی غذائیت کا بھی کچھ نہ کچھ بندوبست ہونا چاہیئے۔ ایک بات جس کا علم زیادہ سے زیادہ پھیلانا چاہیئے وہ یہ ہے کہ کون سی چیز کس چیز کا متبادل ہے۔ یعنی اگر آپ کو سیب نہ ملے تو آپ کیا کھائیں۔ اگر آپ کو گوشت نہ ملے تو آپ کیا کھائیں۔ تاکہ سیب کا فائدہ حاصل ہو اور اسی طرح گوشت کا فائدہ حاصل ہو۔ اگر ایسا کیا جا سکے۔ کیا تو جا رہا ہے۔ لیکن ہم سمجھتے ہیں کہ اس سے بھی زیادہ کیا جانا چاہیئے اور لوگوں کو اس بات کا یقین دلانا چاہیئے کہ اصل مقصد غذائیت ہے نہ کہ یہ چیز یا وہ چیز۔ یہ نہیں ملتی تو وہ کھا لیجئے، وہ نہیں ملتی تو یہ کھا لیجئے۔ بات ایک ہی ہے۔ اگر بات کا پتہ چل جائے تو ہم سمجھتے ہیں کہ بعض لوگ جو بیر زیادہ نہیں کھاتے کہ جی سیب ملے تو کھائیں گے۔ اگر ان کو یہ پتہ چل جائے کہ بیر اور سیب ایک دوسرے کے متبادل ہیں تو وہ یقیناً سیب نہ ملنے پر سیب کے پیچھے بے فائدہ نہیں بھاگیں گے، بلکہ بیر ہی کھائیں گے۔ تو گویا فائدہ ہوا نا انہیں اس سے۔

کیا ہمارے کوئی ڈاکٹر صاحب الفضل کے قارئین کی اس سلسلے میں رہنمائی فرمائیں گے؟۔

یادیں

یادیں یونہی کسی کونے کھدرے میں چھپی ہوتی ہیں جونہی کوئی بات ہوتی ہے یا کوئی چیز سامنے آتی ہے تو وہ جھٹ سے ہمارے سامنے آکھڑی ہوتی ہیں یا یہ بھی ہے کہ بعض یادوں کو بعض خاص واقعات کے ساتھ نسبت ہوتی ہے۔ ان کا ذکر ان واقعات کی نسبت سے ہی کیا جاتا ہے۔ ایک دفعہ قدرت ثانیہ کے دوسرے مظہر نے فرمایا تھا کہ عورتیں زیادہ تر اپنے بچوں کی پیدائش کے ساتھ نسبت دے لیتی ہیں، مثلاً وہ کہتی ہیں فلاں واقعہ اس وقت ہوا تھا جب میرا فلاں بچہ پیدا ہونیوالا تھا یا پیدا ہوا تھا یا دودھ پی رہا تھا یا دانت نکال رہا تھا۔

یادیں بہرحال کسی نہ کسی نسبت سے آتی ہیں اور جب آتی ہیں تو آتی ہی چلی جاتی ہیں۔ میں نے ایک رسالے میں پڑھا کہ آواز شہر کی ہو یا گاؤں کی ہر آواز سے زیادہ دلچسپ اور دل کو بھانے والی آواز دستک کی ہے۔ ادھر کسی نے دستک دی اور ادھر دروازہ کھولنے سے پہلے ہی کئی چہرے اور کئی باتیں ذہن میں آنے لگیں۔ آپ صحن میں بیٹھے کام کر رہے ہیں وہاں سے ایک کمرے میں اور اس کمرے سے بیٹھک میں جا کر آپ کو دروازہ کھولنا ہے۔ اور اس میں کچھ وقت ضرور لگے گا۔ دستک دینے والا سمجھتا ہے کہ آپ نے دستک سنی ہی نہیں، وہ پھر دروازے پر ہاتھ مارتا ہے۔ پہلے کی نسبت ذرا زیادہ زور سے ہاتھ مارتا ہے۔ آپ کا ذہن اس زور سے ہاتھ مارنے کے متعلق بھی سوچتا ہے۔ دستک کے متعلق آپ کے ذہن میں کیسے خیالات پیدا ہوتے ہیں، اس کا بھی آپ کی زندگی سے گہرا تعلق ہے۔ ایک شخص دستک سن کے کہتا ہے۔ اچھا بھئی آتا ہوں۔ دوسرا کہتا ہے ارے کون ہے آتا ہوں۔ تیسرا کہتا ہے یار آتے ہی چلے جاتے ہو۔ ابھی تو ایک کے لئے دروازہ کھولا تھا۔ چوتھا کہتا ہے جی آیاں نوں۔ آؤ جی آؤ۔ جو بھی ہو۔ آؤ۔ سر آنکھوں پر۔ پانچویں اور چھٹے کے متعلق بھی آپ اسی طرح سوچ سکتے ہیں کہ وہ کیا کہتے ہونگے۔ جو لوگ اپنی زندگی سے مطمئن ہیں۔ لوگوں کو اپنا دوست سمجھتے ہیں انکے کام آنے کو زندگی کا مقصد گردانتے ہیں وہ تو دستک سے خوش ہوتے ہیں چاہے انہیں دن میں بیس دفعہ دروازہ کھولنا پڑے۔ ان کا کوئی بچہ اس بات کا اظہار کرے کہ یہ کیا مصیبت ہے بار بار اٹھ کر دروازہ کھولو۔ وقت، بے وقت آجاتے ہیں۔ تو وہ اپنے بچوں کو نصیحت کرتے ہیں، ایسا نہ کہیں، دستک کی بات پڑھ کر مجھے حضرت مولانا ابوالعطا یاد آگئے۔ انہوں نے خود مجھ سے بیان کیا کہ وہ اپنے بچوں کو سمجھاتے ہیں کہ بیٹا کسی کا دستک دینا تو اللہ کا کرم ہے۔ کچھ ایسے لوگ بھی تو ہیں جن کے دروازے پر کوئی دستک نہیں دیتا۔ یہ کہ لوگوں کو ہم سے کام پڑتا ہے اور وہ امید لے کر یہاں آتے ہیں، یہ اللہ کا بہت بڑا فضل ہے۔ میں نے جب ان سے یہ بات سنی تو مجھے خیال آیا کہ مولانا میرے بزرگ بھی ہیں اور دوست بھی ہیں۔ خدا کا شکر ہے کہ اس بات میں تو ہم آہنگی ہے۔ اور سوچا کہ دوستی بھی تو کسی سے جبھی ہوتی ہے کہ کچھ باتیں ایک جیسی ہوں۔ چلو اور کچھ نہیں اس بات میں تو ہم آہنگی ہے۔ ان سے دوستی اور بزرگی کی ایک اور بات بھی بتا دوں۔ میں نے کہا ہے نا کہ یادیں آتی ہیں تو آتی ہی چلی جاتی ہیں۔ میں سیرالیون میں تھا تو عصر کے وقت کئی دفعہ حضرت مولانا بیت النصرت سے میرے دو چھوٹے بچوں کو گھر لے جاتے کہ چلو اپنے ابا کی نمائندگی میں ہمارے ساتھ چائے پیو۔ میں سیرالیون میں ہی تھا کہ ان کی وفات ہو گئی۔ اور پھر ان کی یہ بات یاد آگئی کہ ربوہ سے روانگی سے ایک دو روز قبل حضرت مولانا نے فرمایا تھا "سیفی صاحب جی تو نہیں چاہتا کہ آپ جائیں لیکن اب حضرت کا ارشاد ہے تو جانا ہی ہے۔ ان کی وفات کی اطلاع ملی تو یہ فقرہ بہت یاد آیا۔ اور بہت سی اور باتیں بھی بے تحاشا یاد آگئیں۔

حیات روحانی صرف متابعت رسول کریمؐ سے ملتی ہے۔
— حضرت اقدس بانی سلسلہ احمدیہ

Digitized by Khilafat Library Rabwah

اطلاعات و اعلانات

درخواست دعا

● مکرم ملک سعید احمد صاحب والرحمت شرقی ب۔ ربوہ کا نواسہ عزیزم محمد علی ولد ملک عابد کریم صاحب بعمر تین ماہ بیمار ہے۔ یہ ننھا بچہ "وقف نو" کی تحریک کے تحت واقف زندگی ہے۔

● مکرم ملک عبدالستار صاحب مین بازار ڈسکہ اپنے کاروبار میں برکت کے لئے دعا کی درخواست کرتے ہیں۔

● مکرم چوہدری نذیر احمد صاحب بہاولپور دینی و دنیوی ترقیات کے لئے دعا کی درخواست کرتے ہیں۔

احباب سے ان سب کے لئے دعا کی درخواست ہے۔

سانحہ ارتحال

● میرے شوہر مکرم رشید محمد سیفی صاحب ولد چوہدری غلام محمد صاحب ۳۱ مارچ ۱۹۸۹ء بروز جمعۃ المبارک بوقت ساڑھے سات بجے شام حرکتِ قلب بند ہو جانے کی وجہ سے رحلت فرما گئے۔ موصی ہونے کی وجہ بفضل تعالیٰ بہشتی مقبرہ ربوہ میں دفن ہوئے۔ موصوف نہایت ہمدرد، غم گسار اور خوش اخلاق تھے۔ میں خاندان حضرت بانی سلسلہ عالیہ احمدیہ، بزرگانِ جماعت اور جملہ احباب سے ان کی بلندیٔ درجات کے لئے دعا کی درخواست کرتی ہوں۔ اللہ تعالیٰ ان کے پسماندگان خصوصاً انکی والدہ محترمہ کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

(امۃ اللطیف طاہرہ کوٹہ)

● خاکسار کے نسبتی بھائی مستری عبدالحمید صاحب ابن مستری عبدالعزیز صاحب آف کروندی ضلع خیرپور مورخہ ۴ مئی ۱۹۸۹ء کو صبح کے وقت سول ہسپتال نواب شاہ میں وفات پا گئے۔ اسی دن کروندی میں مقامی قبرستان میں تدفین ہوئی۔ ان کی عمر قریباً ۵۵ سال تھی اور اپنے پیچھے بیوہ کے علاوہ ۶ لڑکے اور تین لڑکیاں اور ۴ بھائی اور ایک بہن (خاکسار کی اہلیہ) چھوڑے ہیں۔ اولاد میں صرف ایک لڑکی شادی شدہ ہے۔

موصوف میں بہت سی خوبیاں تھیں نمازوں کے پابند اور چندوں میں باقاعدہ تھے۔ احباب جماعت سے دعا کی درخواست ہے۔ اللہ تعالیٰ موصوف کو جنت میں اعلیٰ جگہ دے اور لواحقین کو صبر جمیل عطا کرے۔

(شریف احمد دیڑھوی باندھی ضلع نواب شاہ)

● برادرم حنیف احمد صاحب نوید آف محمد آباد اسٹیٹ ضلع تھرپارکر سندھ اطلاع دیتے ہیں کہ ان کے والد محترم مکرم لطیف احمد خاں صاحب مورخہ ۴ مئی ۱۹۸۹ء صبح ساڑھے دس بجے ہارٹ فیل ہونے سے وفات پا گئے ہیں۔

موصوف ایک لمبا عرصہ تک اسٹیٹ میں بطور ڈرائیور خدمات بجا لاتے رہے ہیں۔ آپ بہت دعاگو اور تہجد گزار تھے۔ ذاتی خوش اخلاقی سے اپنوں اور غیروں میں ہر دلعزیز تھے

آپ نے اپنے پیچھے پانچ بیٹے اور دو بیٹیاں چھوڑی ہیں۔

دوست دعا کریں اللہ تعالیٰ انہیں اپنی رحمت کی چادر میں لپیٹے اور اپنا قرب نصیب فرمائے۔ اور پس ماندگان کو صبر جمیل سے نوازے۔

(عبدالقدیر فیاض مربی سلسلہ احمدیہ)

● خاکسار کے بڑے بھائی محمد عبداللہ ٹھیکیدار محلہ دارالیمن غربی ربوہ ایک لمبی بیماری کے بعد مورخہ ۲۶ اپریل ۱۹۸۹ء کو صبح ۷½ بجے بعمر ۷۹ سال وفات پا گئے۔ محترم بھائی صاحب خدا تعالیٰ کے فضل سے موصی تھے۔ لہٰذا اسی روز مغرب کے بعد بہشتی مقبرہ میں ان کی تدفین عمل میں آئی

برادرم محمد عبداللہ صاحب کی اہلیہ آمنہ بی بی بھی عرصہ چھ ماہ سے پیٹ کی بیماری میں مبتلا تھیں۔ فضل عمر ہسپتال میں کافی دیر زیر علاج رہیں۔ مگر مرض میں کمی واقع نہ ہوئی آخر اپنے خاوند کی وفات کے ۱۲ یوم بعد مورخہ ۸ مئی ۱۹۸۹ء کو وہ بھی سارے خاندان کو سوگوار چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کو پیاری ہو گئیں۔ محترمہ بھابھی صاحبہ بھی موصیہ تھیں لہٰذا ان کی تدفین بھی بہشتی مقبرہ میں عمل میں آئی۔ یہ عجیب اتفاق ہے کہ دونوں میاں بیوی کی قبریں قریباً ساتھ ساتھ ہیں۔ دونوں خدا تعالیٰ کے فضل سے پابند صوم و صلوٰۃ تھے۔ احمدیت کے شیدائی، آئمہ جماعت اور خاندان حضرت بانی سلسلہ سے بے پناہ محبت کرنے والے تھے۔ ان دونوں کی اکٹھی وفات ان کے بچوں اور سارے خاندان کے لئے سخت صدمہ کا موجب ہوئی ہے۔

احباب جماعت سے درخواستِ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان دونوں کو جنت میں بلند درجات عطا فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل کی استطاعت بخشے اور ان کا حافظ و ناصر ہو۔

سید الحسن

محمد صدیق شاہد گورداسپوری سابق مربی انچارج

اعلان نکاح

★ میرے بیٹے عزیزم نفیس الرحمٰن صاحب ناصر حال مقیم (بوخم) مغربی جرمنی کے نکاح، ہمراہ عزیزہ روشن آراء صاحبہ بنت برادرم صفی الرحمٰن صاحب خورشید مربی سلسلہ مغربی افریقہ حال دارالعلوم غربی ربوہ بیت المبارک میں مکرم مولانا دوست محمد صاحب شاہد مؤرخ احمدیت نے ۱۹/۵/۸۹ بروز جمعۃ المبارک بعد از نماز عصر مبلغ پچاس ہزار روپے حق مہر پر اعلان فرمایا۔ عزیزم نفیس الرحمٰن ناصر اور عزیزہ روشن آراء صاحبہ محترم حکیم حفیظ الرحمٰن صاحب سنوری کے پوتا اور پوتی ہیں نیز محترم مولوی قدرت اللہ صاحب سنوری کے پڑنواسہ اور پڑنواسی ہیں۔

احباب جماعت دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ یہ نکاح ہر لحاظ سے دونوں خاندانوں کے لئے بابرکت کرے۔

نصیر الرحمٰن ناصر سنوری۔ لاہور

★ خاکسار کی سب سے چھوٹی بیٹی کا نکاح عزیزم محمد اقبال الیکٹریکل انجینئر ولد محمد طاہر آف نیوزی لینڈ کے ہمراہ مبلغ ۵ ہزار ڈالر کے عوض مکرم مولانا عبدالستار رؤوف آف انڈونیشیا حال مربی فیجی نے احاطہ بیت فضل عمر سموا میں پڑھا۔ اس تقریب میں احباب جماعت کے علاوہ کثیر تعداد میں غیر از جماعت شامل ہوئے نیز حکومت فیجی کے وزیر مواصلات نے بھی خاکسار کی دعوت پر اس میں شمولیت اختیار کی اور اس موقع پر اپنے خیالات کا اظہار فرمایا جماعت کی تعریف کی اور صد سالہ جشن تشکر کی تقریبات پر مبارک باد پیش کی۔

آخر میں مولانا صاحب نے دعا کرائی قارئین الفضل سے عاجزانہ درخواست دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس نکاح کو ہر لحاظ سے باعث برکت و رحمت اور سلامتی بنائے

(عبدالعزیز شاہد مربی انچارج فیجی)

★ عزیزہ ثمینہ اختر بنت چوہدری عبدالعزیز صاحب دارالصدر شرقی ربوہ کے نکاح کا اعلان مولوی سلطان محمود صاحب انور ناظر اصلاح وارشاد نے برادرم تنویر احمد شاہد ابن عبدالغنی صاحب مربی سلسلہ سے مبلغ ۱۰۵۵۵۵/- روپے حق مہر پر مورخہ ۸/۵/۸۹ کو بعد نماز عصر بیت المبارک میں کیا اور دعا کروائی۔

احباب جماعت کی خدمت میں دعا کی درخواست ہے تا اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے اس رشتہ کو ہر دو خاندانوں کے لئے برکت کا موجب بنا دے۔

عبدالوہاب ابن چوہدری عبدالعزیز

دارالصدر شرقی عقب ہسپتال ربوہ

ولادت

● خاکسار کے بیٹے لفٹیننٹ ناصر احمد کو اللہ تعالیٰ نے انگلستان میں ۲۳ اپریل ۱۹۸۹ء پہلا بیٹا عطا فرمایا ہے۔ حضور ایدہ اللہ تعالیٰ نے نعمان احمد نام تجویز فرمایا ہے۔ احباب کی خدمت میں نومولود کی درازی عمر، نیک، صالح اور خادم دین ہونے کیلئے دعا کی درخواست ہے

(محمد صادق اکاؤنٹنٹ وکالت تبشیر ربوہ)

● عزیزم برادرم ریاض احمد صاحب راجپوت کو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے عید کے روز پہلے بیٹے سے نوازا ہے۔

حضور ایدہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے ازراہِ شفقت بچے کا نام "حنان عزیز" تجویز فرمایا ہے

نومولود مکرم محمد اسلم صاحب راجپوت آف اسماعیل آباد نئی گوٹھ تیرہ واٹر کا پوتا اور مکرم محمد رفیق صاحب راجپوت آف محمد آباد اسٹیٹ تھرپارکر سندھ کا پہلا نواسہ ہے۔

احباب جماعت سے نومولود کی صحت، سلامتی، درازیٔ عمر کے ساتھ والدین کے لئے قرۃ العین کا موجب بننے کے لئے دعا کی درخواست ہے

(عبدالقدیر فیاض مربی سلسلہ احمدیہ)

ناظمین اطفال اور والدین توجہ فرمائیں

کیا آپ کے بچے جو اطفال الاحمدیہ کی عمر رکھتے ہیں اطفال کی تجنید میں شامل ہو چکے ہیں۔ اگر نہیں ہوئے تو فوراً ان کا نام اطفال کی تجنید میں درج کروائیں۔ اسطرح ناظمین اطفال بھی اس امر کا جائزہ لیں کہ کیا سارے بچے اطفال کی تجنید میں شامل ہو چکے ہیں۔ بچوں کا نام اطفال الاحمدیہ کی تجنید میں درج نہ کروانا قومی جرم ہے جیسا کہ حضرت فضل عمر نے فرمایا۔

"اگر کوئی بچہ اطفال الاحمدیہ کی عمر رکھتا تھا اور اس کے ماں باپ نے اسے اطفال الاحمدیہ میں شامل نہیں کیا تو اس کے ماں باپ نے بھی ایک قومی جرم کا ارتکاب کیا ہے۔"

(الفضل ۱۳ ستمبر ۱۹۶۱ء)

(سیکرٹری تجنید اطفال الاحمدیہ مرکز)

Digitized by Khilafat Library Rabwah

بقیہ !! مقدمات

کے شمارے اگست، ستمبر، اکتوبر، نومبر ۱۹۸۸ء ماہنامہ مصباح کا شمارہ ستمبر ۱۹۸۸ء و ضمیمہ۔ ان شماروں کے علاوہ ایک پمفلٹ زیرِ عنوان تربیتی امور شائع کردہ کمیٹی اصلاح وارشاد و لوکل انجمن احمدیہ کے خلاف بھی مقدمات درج کئے گئے ہیں۔ ان مقدمات میں ایک ہی الزام دوہرایا گیا ہے کہ ان شماروں میں قادیانیوں نے جو کچھ چھاپا ہے وہ اس انداز میں چھاپا گیا ہے کہ اس سے قادیانیوں نے اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کیا ہے۔

ان مقدمات میں جو احباب ملوث ہوئے ہیں۔ ان میں روزنامہ الفضل کے ایڈیٹر محترم مولانا نسیم سیفی صاحب، پبلشر محترم مسعود احمد دہلوی صاحب، پرنٹر مکرم قاضی منیر احمد صاحب۔ ماہنامہ انصار اللہ کے ایڈیٹر مکرم مرزا محمد الدین ناز صاحب استاذ جامعہ احمدیہ، پبلشر مکرم چوہدری محمد ابراہیم صاحب ایم اے، پرنٹر قاضی منیر احمد صاحب، ماہنامہ تشحیذ الاذہان کے ایڈیٹر مکرم قمر داؤد کھوکھر صاحب، پبلشر مکرم مبارک احمد خالد صاحب اور پرنٹر مکرم قاضی منیر احمد صاحب۔ ماہنامہ مصباح کے ایڈیٹر مکرم محمد اسمٰعیل منیر ثانی صاحب۔ پبلشر مکرم شیخ خورشید احمد صاحب، پرنٹر قاضی منیر احمد صاحب۔ ماہنامہ تحریک جدید کے ایڈیٹر مکرم مسعود احمد شاہد صاحب، پبلشر مکرم عبد اللطیف صاحب اور پرنٹر مکرم قاضی منیر احمد صاحب۔ تربیتی اور اصلاح وارشاد و لوکل انجمن احمدیہ کے مکرم قاضی منیر احمد صاحب پرنٹر اور مکرم حکیم خورشید احمد صاحب۔ اسطرح سے کل ۱۳ افراد پر مقدمات قائم کئے گئے ہیں۔

واضح رہے کہ مکرم قاضی منیر احمد صاحب چونکہ تمام رسالوں کے پرنٹر ہیں اس لئے ان کے خلاف مقدمات کی تعداد بڑھتے بڑھتے اب ۲۷ تک پہنچ گئی ہے۔

راستی ہے ازل سے مستحکم
وجہ راحت ہیں اسکے سب غم و ہم
جھوٹ کا تار و پود بکھرا ہے
اور ابد تک رہے گا یہ برہم

ابو الاقبال

فضل عمر ہسپتال میں الیکٹریشن کی ضرورت

فضل عمر ہسپتال ربوہ میں ایک الیکٹریشن کی ضرورت ہے۔ مرکز سلسلہ میں رہ کر خدمت کرنے والے احباب اپنے درج ذیل کوائف کے ساتھ درخواستیں لیکر دفتر کے اوقات میں ایڈمنسٹریٹر فضل عمر ہسپتال کو ملیں۔

۱۔ درخواست مصدقہ صدر صاحب جماعت
۲۔ سند میٹرک
۳۔ ڈپلومہ الیکٹریشن

(ایڈمنسٹریٹر)

ایک طلائی کانٹا ملا ہے

ایک عدد طلائی کانٹا فٹ بال گراؤنڈ محلہ دارالیمن ربوہ میں گرا ہوا ملا ہے جن کا ہو وہ چوہدری عنایت اللہ صاحب سیکرٹری امور عامہ ۵/ دارالیمن غربی سے رابطہ قائم کریں۔

خبریں

★۔ جنرل ضیاء کی فیملی کے پاس ۷ مکانات ہیں۔ ڈیڑھ ہزار مربع گز کے پلاٹ پر واقع پہلا مکان ضیاء کے برسر اقتدار آنے کے ایک مہینے کے بعد انکو الاٹ ہوا۔ دوسرا پلاٹ ایک ہزار سے زائد مربع گز کا ہے۔ ۵۰ لاکھ روپے مالیت کا یہ پلاٹ اگست ۱۹۸۱ء میں ضیاء الحق کے بیٹے اعجاز الحق کو الاٹ ہوا۔ ایک ہزار گز کا ایک اور پلاٹ ضیاء کی بیٹی روبینہ سلیم کے نام ہے۔ سیٹلائٹ ٹاؤن راولپنڈی میں ۴ کنال کا ایک پلاٹ ۱۹۸۸ء میں ضیاء الحق کو الاٹ ہوا۔ ولیئر بیچ راولپنڈی میں دو ہزار گز کا ایک پلاٹ فروری ۱۹۸۸ء میں ضیاء الحق کو الاٹ ہوا۔ چھٹا پلاٹ لاہور میں ہے۔ علاؤ الدین روڈ پر واقع یہ پلاٹ سولہ سو مربع گز کا ہے اور ۱۹۷۷ء میں جنرل ضیاء کو الاٹ ہوا۔ ساتواں مکان شبلی سٹریٹ پشاور کینٹ میں مکان نمبر ۵۱۷ ہے اس میں دو دکانیں بھی شامل ہیں جو مشترکہ جائیداد کلیم میں حاصل کئے گئے ہیں۔ ادھر صدر ضیاء کے بیٹے اعجاز الحق نے ان الزامات کی تردید کی ہے

★۔ گرمیوں کی چھٹیوں کے شیڈول میں تبدیلی کر دی گئی ہے۔ اب تعلیمی ادارے یکم جون سے ۲۰ اگست تک بند رہیں گے اور ۲۱ اگست کو دوبارہ کھلیں گے۔

★۔ حیدر آباد میں امونیا گیس کی پائپ لائن پھٹنے سے ۵۰ افراد بے ہوش ہو گئے گیس دور دور تک پھیل گئی۔ قریبی سکول کے ۶۰ بچوں کو نازک حالت میں ہسپتال پہنچا دیا گیا۔ لاتعداد مکانات خالی ہو گئے۔ یہ گیس الفضل ٹاؤن میں واقع ایک آئس فیکٹری سے خارج ہوئی۔

★۔ بلوچستان کے وزیر اعلیٰ نواب اکبر بگٹی نے کہا ہے کہ اگر بلوچستان میں پیپلز پروگرام کی کوئی تختی لگائی گئی تو اسے بلڈوز کر دیا جائے گا۔ انہوں نے کہا کہ یہ پیپلز ورکر پروگرام ہے۔ ہم نے سرکاری گاڑیاں غیر سرکاری آدمیوں سے لے لی ہیں۔

★۔ پاکستانی کرکٹ ٹیم نے عمران خان کی قیادت میں لارڈس اینجلز میں کھیلے جانے والے ایک روزہ میچ میں بھارت کو شکست دے کر پہلا امریکن کپ کرکٹ ٹورنامنٹ ایک کے مقابلے میں دو سے جیت لیا ہے۔

★۔ بعض ذرائع نے کہا ہے کہ بھکر کے قریب گرنے والا روسی میزائل جلال آباد سے چلایا گیا تھا۔

★۔ نواب شاہ کی شہری حدود میں ۳۵ دن جاری رہنے والا کرفیو ختم کر دیا گیا ہے۔

وہ شکست جس سے خدا راضی ہو
اس فتح سے بہتر ہے جو موجب
غضب الٰہی ہو (الوصیت)

سرزمین قادیان کا اوریجنل
مشہور دواخانہ
۱۹۱۱ء سے مصروف خدمت
گوجرانوالہ، ربوہ، قلعہ کالر، ملتان، کراچی

بیماری نہیں چھوڑتی؟
۱۔ ٹیسٹوں اور ایکسرے وغیرہ سے تشخیص نہ ہو سکے
۲۔ دوائیں چند دن کے بعد بے اثر ہو جائیں
۳۔ طبیعت دواؤں کو برداشت نہ کر سکے
۴۔ مریض خطرناک اپریشن سے ڈرتا ہو یا
۵۔ ایک سے زیادہ متضاد بیماریاں اکٹھی ہوں تو.....؟
ان مسائل کا حل کیوریٹو لٹریچر میں ملے گا۔
۲/ روپے کے ڈاک ٹکٹ بھیج کر یا کیوریٹو سٹاکسٹوں سے طلب کریں۔ ڈاکٹرز کیلئے فری
کیوریٹو میڈیسن کمپنی (شعبہ اشاعت) گولبازار۔ ربوہ
فون: سیلز ۷۱، کلینک ۶۰۶، رہائش ڈاکٹرز ۶۰۷

زرخیز زرعی رقبہ متصل مرکز سلسلہ
بیش از ساڑھے آٹھ ایکڑ نہری رقبہ بمعہ ٹیوب ویل بجلی قابل فروخت ہے۔ پکی سڑک کی سہولت۔ رقبہ ربوہ کے بالکل ساتھ واقع ہے۔ نہری پانی کے علاوہ اپنا ٹیوب ویل ہے۔ ٹیوب ویل میں کوئی اور حصہ دار نہیں اور نہ رقبہ میں کسی اور کی کھاتہ داری کی شراکت ہے۔ اس بناء پر شفعہ کے اندیشہ سے بری ہے۔ نو وارد خواہشمند دوستوں کیلئے نادر موقع ہے۔ رقبہ اور ٹیوب ویل ہر قسم کے بار سے پاک ہے۔
بشیر احمد ایڈووکیٹ۔ دارالصدر شمالی۔ ربوہ فون ۶۰۱